رسائل و مسائل

مکتوب مکشوف

از جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا المکرم دام فضلکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ۔ نے مشرف فرمایا تھا۔ جس کا اجمالی جواب بطور رسید اور وصولیابی والا نامہ ارسال کرچکا ہوں۔ اس میں وعدہ کیا تھا کہ بعد میں حقیقت حال کا اظہار کروں گا۔ مضمون ترجمان القرآن "فتنہ تکفیر" اول سے آخر تک پڑھا۔ پرخلوص تنبیہی والا نامہ اور اس پرخلوص پر تذکیر مضمون پر دل سے شکریہ عرض ہے۔ جناب نے حق نصیحت ادا فرمایا۔ جزاکم اللہ عنا خیرا۔

فتویٰ معلومہ "الاصلاح" کے سلسلہ میں سب سے اول علامہ سید سلیمان ندوی کا مضمون "غوغائے تکفیر" اس کے بعد جناب کا مضمون "فتنۂ تکفیر" اس کے بعد وہ سلسلہ مراسلت جو ابھی حال میں محترم بندہ جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی سلمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا سید سلیمان ندوی کے درمیان جاری ہے اس ناکارہ کی نظر سے گذرا۔ تینوں تحریرات بحمداللہ نیک نیتی اور انصاف و اخلاص سے پر ہیں اس لیے ناممکن تھا کہ قلب ان سے اثر لیے بغیر رہتا۔ چنانچہ ہر سہ تحریرات کے مطالعہ سے ناگزیر ہوگیا کہ میں اپنی اس تحریر جو فتویٰ کی تائید میں لکھی گئی اور رسالہ الاصلاح میں شائع ہوئی ہے نظر ثانی کروں۔ تحریر مذکور کے الفاظ بجنسہ حسب ذیل ہیں۔

"جو حالات و خیالات استفتاء میں ظاہر کیے گئے ہیں وہ سراسر منافیٔ دین و دیانت اور الحاد و زندقہ ہیں مجیب مصیب نے جو کچھ فتویٰ میں ظاہر فرمایا ہے وہ سراسر حق و صداقت ہے"

اس مشروط عبارت میں حکم صرف اُن حالات وخیالات پر دائر ہے جو استفتار میں ظاہر کیے گئے ہیں۔ اُن ہی خیالات کو الحاد و زندقہ اور اُن ہی خیالات کی صحت وقوع پر الافصاح کے فتویٰ کی تصویب کی گئی ہے۔ اس کا حاصل حقیقتاً وہی نکلتا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں منقول ہے "بہ کفر دون ھو کافر"۔ جناب نے بھی ترجمان القرآن کے اس مضمون محولہ بالا میں صا۲۱ پر کفر و تکفیر کی بحث کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے کہ اگر محتاط اہل علم نے کسی اہل قبلہ میں گمراہی کی کوئی بات دیکھی تو برملا کہا کہ "یہ کافرانہ اور ملحدانہ مقالات ہیں" یا "مشرکانہ اور کافرانہ اعمال ہیں" لیکن ان مقالات وافعال کے مرتکب کو "کافر یا مشرک کہدینے میں انہوں نے کبھی جرأت سے کام نہیں لیا"۔ احقر کی غرض بھی اس تائید عبارت سے اس کے سوا کچھ نہیں تھی جو جناب کا نظریہ اس مضمون سے واضح ہو رہا ہے۔ اس لیے اسے تکفیر اشخاص کے لیے استعمال کیا جانا کم از کم صاحب عبارت کی مراد سے بہت آگے بڑھ جانا ہے۔

عبارت کا موضوع نہ صرف خیالات کو ملحدانہ ظاہر کرنا ہے اور بس۔ اور جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اصل مجیب کا بھی یہی مقصود ہے جیسا کہ عبارت فتویٰ سے ظاہر ہے۔

اب صرف دو چیزیں رہ جاتی ہیں ایک یہ کہ آیا ایسی عبارت اور خیالات ملحدانہ ہیں یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ یہ خیالات جو ان عبارات سے مفہوم ہو رہے ہیں مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین رحمہا اللہ کے تھے بھی یا نہیں؟۔ سو ظاہر ہے کہ اس قسم کے خیالات کا ملحدانہ ہونا کھلا ہوا ہے جیسا کہ الافصاح میں سلف کی متعدد عبارتوں سے واضح کیا گیا ہے۔ نیز جناب کو اور علامہ سلیمان ندوی کو بھی ان خیالات کے ملحدانہ ہونے میں کلام نہیں ورنہ ان کے معارض دوسری عبارتیں پیش کر کے پہلی عبارتوں کی توجیہ نہ فرمائی جاتی بلکہ سیدھے طور پر خیالات کی تصویب کر دی جاتی۔ لہذا اس حد تک تو جناب کو بھی اس ناکارہ سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نہ ان خیالات کے الحاد ہونے میں اور نہ ان خیالات و مقالات کو الحاد ظاہر کرنے میں۔

نزاعی چیز صرف یہ رہ جاتی ہے کہ اس قسم کے خیالات ان بزرگوں کے تھے بھی یا نہیں۔ ؟
ارباب فتوی نے مولانا شبلی کی الکلام اور علم الکلام وغیرہ کی عبارتیں دیکھکر تبادر مفہوم کیساتھ یہی سمجھا کہ یہ خیالات مولانا ممدوح کے تھے یہ مفہوم کسی ایک کا نہیں بلکہ متعدد اکابر علمار نے اور آج نہیں بلکہ بیسیوں برس پہلے جبکہ مولانا عماد الدین انصاری شیرکوٹی نے "علامۂ آخر الزمان" کے نام سے ایک رسالہ میں الکلام کی عبارتوں سے انہی خیالات کو مولانا شبلی کے عقائد سمجھا اور شائع کیا۔ نیز اسی الکلام وغیرہ کی عبارتوں سے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیۃ علمار ہند کو بھی یہی خیالات بصورت عقائد مفہوم ہوئے اور اسی کو انہوں نے شائع فرماکر شرعی حکم ظاہر فرمایا۔ بالکل اسی طرح آج بھی متعدد علمانے وہی سمجھا جو تبادر کیساتھ پہلی جماعت نے سمجھا تھا جس سے یہ اندازہ لگالینا کچھ دشوار نہیں کہ مولانا شبلی کی ان عبارتوں سے تبادر کے طریق پر اول وہلہ یہ خیالات بصورت عقائد ہی مفہوم ہوتے ہیں اور علما کو اشکال میں ڈالتے ہیں۔ اور عوام تو نہ معلوم کس حد تک گمراہ ہوجاتے ہوں گے۔ ؟

ادھر جناب والا اور علامہ سید سلیمان ندوی الکلام کی دوسری عبارتیں نقل فرماکر یہ ثابت فرمارہے ہیں کہ یہ مذکورہ خیالات خود مولانا شبلی کے نہ تھے بلکہ ان کے الفاظ میں ملحدوں کے خیالات تھے جو تردید کے لیے الکلام میں نقل کیے گئے ہیں۔ اب ارباب فتوی اور آپ حضرات کے یہ نظریے دیکھ لینے کے بعد عرض ہے کہ ان مذکورۂ الافصاح عبارتوں کا سیاق و سباق گو اس تفسیر سے آبی ہے جو جناب فرمارہے ہیں۔ نیز یہ دوسری معارض عبارتیں بھی خود ان پہلی عبارتوں کی تفسیر نہیں ہیں، تاہم معارض ضرور ہیں ادھر مولانا شبلی کی وہ آخری تحریر جو مولانا سید سلیمان نے "غوغار تکفیر" میں شائع فرمائی ہے ان خیالات کی پوری تردید کررہی ہے جو الکلام کی پہلی عبارتوں سے مفہوم ہوتے ہیں اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس آخری تحریر اور ان معارض عبارتوں کو پہلی عبارات کے لیے یا ناسخ سمجھا جائے یا ان کی تاویل۔ اور دونوں صورتوں میں عبارات الکلام کے ان مفہومات سے (جو بوجہ

تبادر ذہن علماء کے لیے باعث خلجان بنے ہوئے ہیں، بمنزلہ رجوع کے ہوگی۔ اس لیے میں بھی اپنی اُس عبارت سے جس میں التزاماً کوئی تکفیر تھی ہاں لزوماً کفر ضرور تھا رجوع کرتا ہوں اُن خیالات کو الحاد کہتے ہوئے مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی آخری تحریر کی بنا پر ان خیالات سے بری سمجھتا ہوں۔

مگر آپ حضرات کے لیے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ عبارات الکلام کی جن توجیہات کی طرف آپ حضرات کی توجہ اس فتوی کے سبب منعطف ہوئی اور آپ نے بعض عبارتیں ایسی پیش فرمائیں جو ابھی تک منظر عام پر نہ تھیں اب الکلام کے ساتھ بطور مقدمہ یا ضمیمہ ضرور شائع فرما دی جاویں تاکہ مصنف کے کلام کی توجیہ خود مصنف ہی کی عبارت سے لوگ سمجھ سکیں اور آیندہ کوئی مغالطہ میں مبتلا نہ ہو۔

اسی طرح مولانا حمید الدین صاحب کی جو زیر بحث عبارات اب تک منظر عام پر آئی ہیں اُن سے متبادر طریق پر وہی خیالات مفہوم ہوتے ہیں جو ارباب فتوی نے سمجھے ہیں۔ اگر وہ مفہوم غلط ہے جیسا کہ جناب اور مولانا سید سلیمان یہ کہہ کر ظاہر فرما رہے ہیں کہ وہ عبارات ایک خام یادداشت اور غیر صاف شدہ مسودہ سے لی گئی ہیں جو ناتمام اور اداء مقصود میں کوتاہ ہیں تو اس کی ذمہ داری شائع کنندوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیا ضرورت تھی کہ ایسی ناتمام اور موہوم عبارتیں شائع کر کے عوام و خواص کو مغالطوں میں مبتلا کیا جائے۔

لیکن بہرحال جبکہ مولانا مرحوم کے متبعین اور صحبت یافتہ ان کی اصل مراد اور حقیقی خیالات کو براہ راست انہی سے سنکر ظاہر فرما رہے ہیں کہ وہ ان خیالات کو اپنے خیالات نہیں سمجھتے تھے جو ان ناقص عبارتوں سے مفہوم ہوئے اس لیے میں مولانا ممدوح کے حق میں بھی اس عبارت فتوی سے رجوع کرتا ہوں۔ مگر اس کے متعلق بھی وہی عرض ہے کہ اب ان عبارات کے ساتھ ایک ضمیمہ ضرور شائع کردیا جائے جس میں ان خلل کا سد باب ہو جن سے ایسے مفہومات کو راہ ملے۔

میں آخر میں جناب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جناب اور مولانا سید سلیمان نے ایک عالم اسلام کی جائز نصرت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے متعدد علماء امت کو بہت سے ایسے مفاسد سے بچا لیا جو غلط فہمی کی بنا پر امت میں شائع ہوتے اور اس کا فتنہ خواص و عوام سب کی طرف رجوع کرتا۔ مگر اس بچاؤ کی بقا صرف اسی صورت میں ہے کہ الکلام اور اس مذکورہ خام یادداشت کا تتمہ او ضمیمہ جلد سے جلد شائع کر دیا جائے۔ والسلام مع الوف التحیۃ والاکرام۔

انا العبد الضعیف

محمد طیب غفرلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۵ رجادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ

بچوں کے لئے مفید کتابیں

سراپائے رسول اس مختصر سی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور آپ کے عادات و خصائل لباس، معاشرت، اخلاق آداب و اطوار اور عام طرز زندگی کے متعلق تمام معلومات جمع کی گئی ہیں اور ان کو بہت سہل زبان اور دلکش انداز بیان میں لکھا گیا ہے جیبی تقطیع پر بہت خوبصورت طبع ہو رہی ہے۔

ہمارے نبی کے صحابہ اس کتاب میں صحابہ کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات نہایت سلیس زبان اور دلنشین انداز بیان کے ساتھ درج کئے گئے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ بزرگوں کے اخلاق، دینداری، حسن معاشرت اور نیک معاملات کا حال معلوم ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہوتا ہے قیمت ۸ر حاشی ۲ر کلدار علاوہ محصول ڈاک

مسلمان بی بیاں یہ کتاب "ہمارے نبی کے صحابہ" کی طرح صحابیہ خواتین کے حالات پر مشتمل ہے جس میں ان مقدس ہستیوں کی دینداری حسن اخلاق و وفا شعاری زندگی میں ان کے نیک برتاؤ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں مسلمان بچیوں کے لئے یہ کتاب شمع ہدایت ہے اور بہت سادہ زبان میں لکھی گئی ہے قیمت ۸ر حاشی ۲ر کلدار علاوہ محصول ڈاک۔ دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے

سود، پردہ، طلاق اور مہر

(۹)

(سلسلۂ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ ہجری)

تعزیری قانون اسلام کے تعزیری قانون کا اصل الاصول یہ ہے کہ انسان کو سیاست کے شکنجہ میں صرف اسی وقت کسا جائے جبکہ وہ نظام تمدن کو برباد کرنے والی کسی حرکت کا بالفعل مرتکب ہو جائے اور جب وہ ایسا کرے تو اس کو خفیف سزا دے کر گناہ کرنے اور سزا بھگتنے کا خوگر بنانا درست نہیں۔ ثبوت جرم کی شرائط بہت سخت رکھو،[۱] لوگوں کو حدود قانون کی زد میں آنے سے جہاں تک ممکن ہو بچاؤ،[۲] مگر جب کوئی شخص قانون کی زد میں آجائے تو اسے ایسی سخت سزا دو کہ نہ صرف وہ خود اس جرم کے اعادہ سے عاجز ہو جائے، بلکہ دوسرے ہزاروں انسان بھی جو اس فعل کی جانب اقدام کرنے والے ہوں، اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں کیونکہ قانون کا مقصد سوسائٹی کو جرائم سے پاک کرنا ہے نہ یہ کہ لوگ بار بار جرم کریں اور بار بار سزا بھگتیں۔

---

[۱] اسلامی قانون شہادت کے متعلق یہ امر مسلم ہے کہ اس سے زیادہ سخت اور منصفانہ قانون دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں۔ اس قانون میں ثبوت جرم کی شرائط عموماً نہایت سخت ہیں، مگر جرم زنا کے ثبوت کی شرطیں سب سے زیادہ سخت رکھی گئی ہیں۔ عام طور پر تمام معاملات کے لیے اسلامی قانون صرف دو گواہوں کو کافی سمجھتا ہے، مگر زنا کے لیے کم از کم چار گواہ ضروری قرار دیے گئے ہیں۔ وَاللّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ (النساء: ۳)۔

[۲] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ادرءوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة (ترمذی ابواب الحدود) مسلمانوں کو سزا سے بچاؤ جہاں تک ممکن ہو۔ اگر اس کے لیے براءت کی کوئی صورت ہے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ امام کا غلطی سے معاف کر دینا اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے کسی کو سزا دے۔

نظام معاشرت کی حفاظت کے لیے اسلامی تعزیرات نے جن افعال کو جرم مستلزم سزا قرار دیا ہے وہ صرف دو ہیں۔ ایک زنا۔ دوسرے قذف۔

زنا کے متعلق ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اخلاقی حیثیت سے یہ فعل انسان کی انتہائی پستی کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ دراصل اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کی انسانیت حیوانیت سے مغلوب ہو چکی ہے اور وہ انسانی سوسائٹی کا ایک صالح رکن بن کر نہیں رہ سکتا۔ اجتماعی نقطۂ نظر سے یہ ان عظیم ترین جرائم میں سے ایک ہے جو انسانی تمدن کی عین بنیاد پر حملہ کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے اسلام نے اس کو بجائے خود ایک قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے، خواہ اس کے ساتھ جبر واکراہ یا کسی دوسرے شخص کی حق تلفی شریک ہو یا نہ ہو۔ قرآن مجید کا حکم یہ ہے کہ :۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (النور: ۱)۔

زناکار عورت اور زناکار مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین میں تم کو ان پر ہرگز رحم نہ کھانا چاہیے اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب ان کو سزا دی جائے تو مسلمانوں میں سے ایک جماعت ان کو دیکھنے کے لیے حاضر رہے۔

اس باب میں اسلامی قانون اور مغربی قانون میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ مغربی قانون زنا کو بجائے خود کوئی جرم نہیں سمجھتا۔ اس کی رو سے یہ فعل صرف اس وقت جرم ہوتا ہے جب اس کا ارتکاب جبر واکراہ کے ساتھ کیا جائے یا کسی ایسی عورت کے ساتھ کیا جائے جو دوسرے شخص کے نکاح میں ہو۔ بالفاظ دیگر اس قانون کی نگاہ میں زنا جرم نہیں ہے بلکہ جبر اور حق تلفی جرم ہے بخلاف اس کے اسلامی قانون کی نظر میں یہ فعل خود ایک جرم ہے، اور جبر واکراہ یا حق غیر میں مداخلت سے اس پر ایک اور جرم کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سزا کے باب میں بھی دونوں کے طریقے مختلف ہیں۔ مغربی قانون زنا

بالجبر میں صرف سزائے قید پر اکتفا کرتا ہے، اور منکوحہ عورت کے ساتھ زنا کرنے پر صرف عورت کے شوہر کو تاوان کا مستحق قرار دیتا ہے۔ یہ سزا جرم کو روکنے والی نہیں بلکہ لوگوں کو اور جرأت دلانے والی ہے۔ اسی لیے اُن ممالک میں جہاں یہ قانون رائج ہے زنا کا ارتکاب بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی قانون زنا پر ایسی سخت سزا دیتا ہے جو سوسائٹی کو اس جرم اور ایسے مجرموں سے ایک طویل مدت کے لیے پاک کر دیتی ہے۔ جن ممالک میں زنا پر یہ سزا دی گئی ہے وہاں اس فعل کا ارتکاب کبھی عام نہیں ہوا، بلکہ ایک مرتبہ حد شرعی کے جاری ہو جانے سے پورے ملک کی آبادی پر ایسی ہیبت چھا گئی ہے کہ برسوں تک کوئی شخص اس کے ارتکاب کی جرأت نہیں کر سکا ہے۔

مغربی ضمیر سو کوڑوں کی سزا پر نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ انسان کو جسمانی تکلیف پہنچانا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس کے اخلاقی شعور کا نشوونما ابھی تک ناقص ہے وہ زنا کو پہلے صرف ایک عیب سمجھتا تھا اور اب اسے محض ایک کھیل، ایک دلچسپ کھیل سمجھتا ہے جس سے دو انسان تھوڑی دیر کے لیے اپنا دل بہلا لیتے ہیں وہ چاہتا ہے کہ قانون اس فعل سے رواداری برتے، اور اس وقت تک کوئی باز پرس نہ کرے جب تک کہ وہ دوسرے شخص کی آزادی یا اس کے قانونی حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ پھر اس خلل اندازی کی صورت میں بھی وہ اس کو ایک ایسا جرم سمجھتا ہے جس سے صرف ایک شخص کے حقوق متأثر ہوتے ہیں، اس لیے معمولی سزا یا تاوان اس کے نزدیک ایسے جرم کی کافی سزا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص زنا کا یہ تصور رکھتا ہو وہ اس فعل پر سو درّوں کی سزا کو ایک ظالمانہ سزا ہی سمجھے گا۔ مگر جب اس کا اخلاقی و اجتماعی شعور ترقی کرے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ زنا خواہ بالرضا ہو یا بالجبر، اور خواہ محصنہ کے ساتھ ہو یا غیر محصنہ کے ساتھ، بہرحال وہ ایک اجتماعی جرم ہے اور پوری سوسائٹی پر اس کے نقصانات عائد ہوتے ہیں تو سزا کے متعلق بھی اس کا نظریہ خود بخود بدل جائے گا۔ اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ سوسائٹی کو ان نقصانات سے بچانا ضروری ہے۔ اور چونکہ زنا کی تحریک

کرنے والے اسباب انسان کی حیوانی جبلت میں نہایت گہری جڑیں رکھتے ہیں، اور ان جڑوں کو محض قید و بند اور مالی تاوان کے زور سے نہیں اکھاڑا جا سکتا، لہٰذا اس کا سدباب کرنے کے لیے تشدد تدابیر استعمال کیے بغیر چارہ نہیں۔ ایک شخص یا دو شخصوں کو شدید جسمانی آزار پہنچا کر لاکھوں اشخاص کو بے شمار اخلاقی اور عمرانی مضرتوں سے بچا دینا اس سے بہتر ہے کہ مجرموں کو تکلیف سے بچا کر ان کی پوری قوم کو ایسے نقصانات میں مبتلا کیا جائے جو آنے والی بے گناہ نسلوں تک بھی متوارث ہونے والے ہوں۔

زنا کے جو نقصانات ہیں، انہی سے ملتے جلتے نقصانات تہمت زنا (قذف) کے بھی ہیں۔ کسی عفیف عورت پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانا تنہا اسی ایک کے لیے بدنامی کا موجب نہیں بلکہ اس سے خاندانوں میں دشمنی پھیلتی ہے، انساب مشتبہ ہو جاتے ہیں، ازدواجی تعلقات میں خرابی واقع ہوتی ہے، اور ایک شخص محض ایک مرتبہ زبان ہلا کر بیسیوں انسانوں کو برسوں کے لیے مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ قرآن نے اس جرم کے لیے بھی سخت سزا تجویز کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (النور: ۱)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں پھر چار گواہ اس کے ثبوت میں نہ پیش کریں ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور آیندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو ایسے لوگ خود ہی بدکار ہیں۔

انسدادی تدابیر ۔ اس طرح اسلام کا قانونِ فوجداری اپنی سیاسی طاقت سے ایک طرف تو بدکاری کو زبردستی روک دیتا ہے۔ اور دوسری طرف سوسائٹی کے شریف ارکان کو بدنیت لوگوں کی بدزبانی سے بھی محفوظ کر دیتا ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم انسان کو اندر سے درست کرتی ہے تاکہ اس میں بدی اور گناہ کی طرف رجحان ہی پیدا نہ ہو۔ اور اس کا تعزیری قانون اس کو باہر سے درست کرتا ہے، تاکہ اخلاقی تربیت کے ناقص رہ جانے سے اگر اس قسم کے رجحانات پیدا ہو جائیں، اور وہ قوت سے فعل میں آنے لگیں

تو ان کو یکسر روک دیا جائے۔ ان دونوں تدبیروں کے درمیان چند مزید تدبیریں اس غرض کے لیے اختیار کی گئی ہیں کہ اصلاح باطن کی اخلاقی تعلیم کے لیے مددگار ہوں۔ ان تدبیروں سے نظام معاشرت کو اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ اخلاقی تربیت کے نقائص سے جو کمزوریاں افرادِ جماعت میں باقی رہ جائیں ان کو ترقی کرنے اور قوت سے فعل میں آنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ سوسائٹی میں ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جائے جس میں بُرے میلانات کو نشو و نما دینے والی آب و ہوا مفقود ہو، ہیجان انگیز تحریکات ناپید ہوں، صنفی انتشار کے اسباب انتہائی ممکن حد تک کم ہو جائیں، اور ایسی تمام صورتوں کا سدباب ہو جائے جن سے نظامِ تمدن میں برہمی پیدا ہونے کا امکان ہو۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تدبیروں میں سے ایک ایک کو بیان کرتے ہیں۔

لباس اور ستر کے احکام اصلاحِ معاشرت کے سلسلہ میں اسلام کا پہلا کام یہ ہے کہ اس نے برہنگی کا استیصال کیا اور مردوں اور عورتوں کے لیے ستر کے حدود مقرر کر دیے۔ اس باب میں عرب جاہلیت کا جو حال تھا آج کل کی مہذب ترین قوموں کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے بے تکلف ننگے ہو جاتے تھے[1]۔ غسل اور قضاءِ حاجت میں پردہ کرنا ان کے نزدیک غیر ضروری تھا۔ کعبہ کا طواف بالکل برہنہ ہو کر کیا جاتا تھا اور اسے ایک اچھی عبادت سمجھا جاتا تھا[2]۔ عورتیں تک طواف کے وقت برہنہ ہو جاتی تھیں[3]۔ ان کی عورتوں کا لباس ایسا تھا جس میں سینہ کا کچھ حصہ کھلا رہتا تھا اور بازو و کمر اور پنڈلیوں کے بھی بعض حصے کھل جاتے تھے[4]۔ بالکل یہی کیفیت آج یورپ، امریکہ اور جاپان

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہ ایک مرتبہ ایک پتھر اٹھائے ہوئے آ رہے تھے۔ راستہ میں تہ بند کھل کر گر پڑا وہ اسی حال میں پتھر اٹھائے چلے آئے۔ آنحضرت نے دیکھا تو فرمایا کہ جاؤ۔ پہلے اپنا جسم ڈھانکو اور ننگے نہ پھرا کرو (مسلم باب الاعتناء بحفظ العورہ)۔ [2] ابن عباس، مجاہد، طاؤس اور زہری کی متفقہ روایات ہے کہ کعبہ کا طواف برہنگی کی حالت میں کیا جاتا تھا۔ [3] مسلم کتاب التفسیر میں عرب کی یہ رسم بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت برہنہ ہو کر طواف کرتی، پھر حاضرین سے کہتی کہ کون مجھکو ایک کپڑا دیتا ہے تاکہ میں اس سے اپنا بدن ڈھانکوں۔ اس طرح مانگنے والی کو کپڑا دینا ایک ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا۔ [4] تفسیر کبیر۔ آیہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔

کی بھی ہے، اور مشرقی ممالک میں بھی کوئی نظام معاشرت ایسا نہیں ہے جس میں کشف و ستر کے حدود باقاعدہ مقرر کیے گئے ہوں۔

اسلام نے اس باب میں انسان کو تہذیب کا پہلا سبق دیا۔ اس نے بتایا کہ :-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔ (الاعراف: ۳)	اے اولاد آدم اللہ نے تم پر لباس اسی لیے اتارا ہے کہ تمہارے جسموں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے موجب زینت ہو۔

اس آیت کی رو سے جسم ڈھانکنے کو ہر مرد و عورت کے لیے فرض کر دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت احکام دیے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے برہنہ نہ ہو :-

ملعون من نظر الی سوأۃ اخیہ (احکام القرآن للجصاص)	ملعون ہے وہ جو اپنے بھائی کے ستر پر نظر ڈالے۔
لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ (باب تحریم النظر الی العورات)	کوئی مرد کسی مرد کو اور کوئی عورت کسی عورت کو برہنہ نہ دیکھے۔
ایاکم والتعری فان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ (ترمذی باب ماجاء فی الاستتار)	خبردار کبھی برہنہ نہ رہو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ ہے جو تم سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ سوائے قضاء حاجت اور مباشرت کے وقت کے
اذا اتی احدکم اھلہ فلیستتر ولا یتجرد تجرد العیرین (ابن ماجہ باب التستر عند الجماع)	جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت بھی ستر ڈھانکے اور بالکل گدھوں کی طرح ننگا نہ ہو جائے۔

مردوں کے لیے ستر کے حدود ان احکام کے ساتھ عورتوں اور مردوں کے لیے جسم ڈھانکنے کے حدود الگ الگ مقرر کیے گئے۔ اصطلاح شرعی میں جسم کے اس حصہ کو ستر کہتے ہیں جس کا ڈھانکنا فرض ہے۔ مردوں کے لیے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ "ستر" قرار دیا گیا، اور حکم دیا گیا کہ اس کو نہ کسی کے سامنے کھولیں نہ کسی دوسرے شخص کے اس حصہ پر نظر ڈالیں۔

عن ابی ایوب الانصاری عن النبی صلعم ما فوق الرکبتین من العورۃ واسفل من السرۃ من العورۃ (دارقطنی)

جو کچھ گھٹنے کے اوپر ہے وہ چھپانے کے لائق ہے اور جو کچھ ناف سے نیچے ہے وہ چھپانے کے لائق ہے۔

عن علی ابن ابی طالب عن النبی صلعم: لا تبرز فخذ لک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت (تفسیر کبیر آیۃ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم)

اپنی ران کو کسی کے سامنے نہ کھول اور نہ کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران پر نظر ڈال۔

یہ حکم عام ہے جس سے بیویوں کے سوا اور کوئی مستثنیٰ نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے۔

احفظ عورتك الا من زوجتك او ما ملكت يمينك (احکام القرآن للجصاص جلد ۳ ص ۳۷)

اپنے ستر کی حفاظت کرو بجز اپنی بیویوں کے اور ان لونڈیوں کے جو تمہارے تصرف میں ہوں۔

عورتوں کے لیے ستر کے حدود

عورتوں کے لیے ستر کے حدود اس سے زیادہ وسیع رکھے گئے۔ ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو تمام لوگوں سے چھپائیں، خواہ وہ محرم ہی کیوں نہ ہوں۔ اس حکم عام سے بجز شوہر کے اور کوئی مستثنیٰ نہیں۔

لا یحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الآخر ان تخرج یدا ہا الا الی ھاھنا وقبض نصف الذراع۔ (ابن جریر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ کھولے۔ یہ کہکر آپ نے اپنی کلائی کے نصف حصہ پر ہاتھ رکھا۔

الجاریۃ اذا حاضت لم یصلح ان یری منھا الا وجھھا ویدھا الی المفصل (ابوداود)

لڑکی جب بالغ ہوجائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنا چاہیے سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ کے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اپنے بھتیجے عبداللہ بن الطفیل کے سامنے زینت کے ساتھ آئی تو نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو میرا بھتیجا ہے۔ حضور نے فرمایا۔

اذا عرکت المرأۃ لم یحل لھا ان تظھر الا وجھھا والا ما دون ھذا وقبض علی ذراع نفسہ فترک بین قبضتہ و بین الکف مثل قبضۃ اخری (ابن جریر)۔

جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے جسم میں سے کچھ ظاہر کرے سوائے چہرے کے اور سوائے اس کے یہ کہکر آپ نے اپنی کلائی پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کی گرفت کے مقام اور ہتیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی بھر جگہ باقی تھی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں، ایک مرتبہ آپ کے سامنے باریک لباس پہنکر حاضر ہوئیں اس حال میں کہ جسم اندر سے جھلک رہا تھا۔ حضور نے فوراً نظر پھیر لی اور فرمایا:-

یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ وکفہ (تکملہ فتح القدیر)

اے اسماء عورت جب سن بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم میں سے کچھ دیکھا جائے بجز اس کے اور اس کے یہ کہکر آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ ایک باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہ نے اس کو پھاڑ دیا اور ایک موٹی اوڑھنی ان پر ڈالی (موطا امام مالک)۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر میں داخل ہے جس کو اپنے گھر میں اپنے قریب ترین عزیزوں سے بھی چھپانا اس پر واجب ہے۔ وہ شوہر کے سوا کسی کے سامنے اپنے ستر کو نہیں کھول سکتی خواہ وہ اس کا باپ، بھائی، یا بھتیجا ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ ایسا باریک لباس بھی نہیں پہن سکتی جس میں سے ستر نمایاں ہوتا ہو۔

اس باب میں جتنے احکام ہیں وہ سب جوان عورت کے لیے ہیں۔ ستر کے احکام کی ابتداء اس

زمانہ سے ہوتی ہے جب عورت سن رشد کے قریب پہنچ جائے پھر جب وہ عمر کے اُس دور میں داخل ہو جس میں صنفی کشش مفقود ہو جاتی ہے تو ان احکام میں بھی بہت کچھ تخفیف کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ	اور بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں
نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ	اگر اپنے کپڑے اتار رکھا کریں تو اس میں کوئی مضایقہ
ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ	نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی نمائش مقصود نہ ہو، اور
یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ (النور: ۸)	اگر وہ احتیاط رکھیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

یہاں تخفیف کی علت صاف بیان کر دی گئی ہے۔ نکاح کی امید باقی نہ رہنے سے ایسی عمر مُراد ہے جس میں صنفی خواہشات فنا ہو جاتی ہیں اور کوئی کشش بھی نہیں رہتی۔ تاہم مزید احتیاط کے طور پر یہ شرط لگا دی گئی کہ زینت کی نمائش مقصود نہ ہو۔ یعنی اگر صنفی خواہشات کی ایک چنگاری بھی سینہ میں باقی ہو، تو روپٹہ وغیرہ اتار کر بیٹھنا درست نہیں تخفیف صرف ان بڑی بوڑھیوں کے لیے ہے جن کو سن رسیدگی نے لباس کی قیود سے بے پروا کر دیا ہو اور جن کی طرف بجز احترام کی نظروں کے اور کسی قسم کی نظریں اٹھنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ ایسی عورتیں گھر میں بغیر روپٹے اور اوڑھنی کے بھی رہ سکتی ہیں۔

استیذان اس کے بعد دوسری حد یہ قائم کی گئی کہ گھر کے آدمیوں کو بلا اطلاع اچانک گھروں میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا تاکہ وہ عورتوں کو کسی ایسے حال میں نہ دیکھیں جس میں مردوں کو انہیں نہ دیکھنا چاہیے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا	اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ
كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ (النور: ۸)	وہ اسی طرح اجازت لے کر گھر میں آئیں جس طرح

ان کے بڑے ان سے پہلے اجازت لے کر آتے تھے۔

یہاں بھی علت حکم پر روشنی ڈال دی گئی۔ استیذان کی حد اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ صنفی احساس پیدا ہو جائے۔ اس سے پہلے اجازت مانگنا ضروری نہیں۔

اس کے ساتھ غیر لوگوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا۔ (النور: ۴)۔

اے اہل ایمان! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اہل خانہ سے پوچھ نہ لو اور جب داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔

اصل مقصد اندرون خانہ اور بیرون خانہ کے درمیان حد بندی کرنا ہے تاکہ اپنی خانگی زندگی میں عورتیں اور مرد اجنبیوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ اہل عرب ابتدا میں ان احکام کی علت کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے بسا اوقات وہ گھر کے باہر سے گھروں میں جھانک لیتے تھے۔ ایک مرتبہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ اپنے حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے تابدان میں سے جھانکا۔ اس پر آپ نے فرمایا "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں تیری آنکھ میں کوئی چیز چبھو دیتا۔ استیذان کا حکم تو نظروں سے بچانے ہی کے لیے دیا گیا ہے"۔[1] اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ "اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت دیکھے، تو گھر والوں کو حق ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں"۔[2]

پھر اجنبی مردوں کو حکم دیا گیا کہ کسی دوسرے کے گھر سے کوئی چیز مانگنی ہو تو گھروں میں نہ چلے جائیں بلکہ باہر پردے کی اوٹ سے مانگیں:-

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ ۔ اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ

[1] بخاری - باب الاستیذان من اجل البصر۔ [2] مسلم باب تحریم النظر فی بیت غیرہ

مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (الاحزاب: ۷) — سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔

یہاں بھی حد بندی کے مقصد پر ذالکم اطہر لقلوبکم وقلوبھن سے پوری روشنی ڈال دی گئی ہے۔ عورتوں اور مردوں کو صنفی میلانات اور تحریکات سے بچانا ہی اصل مقصود ہے۔ اور یہ حد بندیاں اسی لیے کی جارہی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان خلا ملا اور بے تکلفی نہ ہونے پائے۔ یہ احکام صرف اجانب ہی کے لیے نہیں بلکہ گھر کے خدام کے لیے بھی ہیں۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت بلال یا حضرت انس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے کسی بچے کو مانگا تو آپ نے پردہ کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر دیا، حالانکہ یہ دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص تھے، اور آپ کے پاس گھر والوں کی طرح رہتے تھے۔[1]

تخلیہ اور لمس کی ممانعت تیسری حد بندی یہ کی گئی کہ شوہر کے سوا کوئی مرد کسی عورت کے پاس نہ تخلیہ میں رہے اور نہ اس کے جسم کو مس کرے۔ خواہ وہ قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

عن عقبہ بن عامر ان رسول اللہ صلعم قال ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار یارسول اللہ افرأیت الحمو۔ قال الحمو الموت[2] — عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں نہ جاؤ۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ فرمایا وہ تو موت ہے۔

لاتلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم[3] — شوہروں کے غیاب میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تم میں سے کسی کے اندر خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔

---

[1] فتح القدیر [2] ترمذی باب ما جاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات۔ ا بخاری: باب لایخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم۔ ومسلم: باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ۔

[3] ترمذی باب کراہیۃ الدخول علی المغیبات۔

عن عمرو ابن عاص قال نهانا رسول الله صلعم ان ندخل على النساء بغير اذن ازواجهن[1]

عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر جانے سے منع فرما دیا۔

لایدخلن رجل بعد یومی هذا على مغیبة الا ومعه رجل او اثنان (مسلم۔ باب تحریم الخلوة بالاجنبیة)

آج کے بعد سے کوئی شخص کسی عورت کے پاس اس کے شوہر کے غیاب میں نہ جائے تاوقتیکہ اس کے ساتھ ایک دو آدمی اور نہ ہوں۔

ایسے ہی احکام لمس کے متعلق بھی ہیں:۔

قال النبی صلعم من مس کف امرأة لیس منها بسبیل وضع على کفه جمرة یوم القیمة (تکملہ فتح القدیر)۔

حضور نے فرمایا جو شخص کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھوئیگا جس کے ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو، اس کی ہتھیلی پر قیامت کے روز انگارا رکھا جائے گا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے صرف زبانی اقرار لے کر بیعت لیا کرتے تھے۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا جو آپ کے نکاح میں نہ ہو[2]۔

اُمیمہ بنت رُقیقہ کا بیان ہے کہ میں چند عورتوں کے ساتھ حضور سے بیعت کرنے حاضر ہوئی۔ آپ نے ہم سے اقرار لیا کہ شرک، چوری، زنا، بہتان تراشی و افترا پردازی اور حضور کی نافرمانی سے احتراز کریں گی جب اقرار ہوچکا تو ہم نے عرض کیا کہ تشریف لائیے تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ صرف زبانی اقرار کافی ہے[3]۔

[1] ترمذی:۔ باب فی النہی عن الدخول على النساء الا باذن ازواجهن۔ [2] بخاری باب بیعة النساء، مسلم باب کیفیت بیعة النساء۔ [3] نسائی باب بیعة النساء۔ ابن ماجہ باب بیعة النساء۔

یہ احکام بھی صرف جوان عورتوں کے لیے ہیں۔ سن رسیدہ عورتوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جائز ہے اور مس بھی ممنوع نہیں فتح القدیر کے تکملہ میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھی عورتوں سے بیعت لیتے وقت مصافحہ فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک قبیلہ میں جاتے تھے جہاں انہوں نے دودھ پیا تھا اور وہاں کی بوڑھی عورتوں سے مصافحہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ ایک بوڑھی عورت سے پاؤں اور سر دبوایا کرتے تھے۔ یہ امتیاز جو بوڑھی اور جوان عورتوں کے درمیان کیا گیا ہے، خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دراصل دونوں صنفوں کے درمیان ایسے اختلاط کو روکنا مقصود ہے جو فتنے کا سبب بن سکتا ہو۔

محرموں اور غیر محرموں کے درمیان فرق | یہ تو وہ احکام تھے جن میں شوہر کے ماسوا تمام مرد شامل ہیں خواہ وہ محرم ہوں یا غیر محرم۔ عورت ان میں سے کسی کے سامنے اپنا ستر یعنی چہرے اور ہاتھ کے سوا جسم کا کوئی حصہ نہیں کھول سکتی (بالکل اسی طرح جس طرح مرد کسی کے سامنے اپنا ستر یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ نہیں کھول سکتا) سب مردوں کو گھر میں اجازت لے کر داخل ہونا چاہیے اور ان میں سے کسی کا عورت کے پاس خلوت میں بیٹھنا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں

اس کے بعد محرموں اور غیر محرموں کے درمیان تفریق کی جاتی ہے قرآن اور حدیث میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ آزادی اور بے تکلفی کے کونسے مدارج ایسے ہیں جو صرف محرم مردوں کے سامنے برتے جاسکتے ہیں اور غیر محرم مردوں کے سامنے برتنے جائز نہیں ہیں۔ یہی چیز ہے جس کو عرف عام میں پردہ یا حجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احکام حجاب | قرآن مجید کی جن آیات میں حجاب کے احکام وارد ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اے نبی! مومن مردوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں پست

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ
إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۔ وَقُل
لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ
وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ
إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ
جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ
أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ
أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي
إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ
غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ
الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ
وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا
يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۔ (النور : ۴)
يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ

رکھیں اور اپنی عصمت اور عفت کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں بجز اس کے جو آپ سے آپ زینت میں سے خود ظاہر ہو۔ اور وہ اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل مار لیا کریں اور اپنی زینت کو نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی عورتیں، اپنی لونڈیاں اور غلام، وہ مرد خدمت گار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے، یا وہ لڑکے جو ابھی عورتوں کی پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں۔ (نیز ان کو حکم دو کہ) وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے اس کا اظہار ہو۔
اے نبی کی بیبیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں اگر

[1] اس آیت کے متعلق ہم اس سے پہلے تشریح کر چکے ہیں کہ اس کا حکم صرف ازواج مطہرات کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۸ عدد ۵ صفحہ ۴۴۵ و ۴۴۶) علامہ ابوبکر جصاص نے بھی احکام القرآن میں یہی رائے ظاہر کی ہے وهذا الحكم وان نزل خاصاً فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وازواجہ فالمعنی عام فیہ وفی غیرہ اذ کنا مامورین باتباعہ والاقتداء بہ الا ما خصہ اللہ بہ دون امتہ (جلد سوم، صفحہ ۴۵۵) یعنی یہ حکم اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے حق میں نازل ہوا ہے مگر اس کی مراد عام ہے جس میں آپ اور دوسرے مسلمان سب شریک ہیں کیونکہ ہم آپ کے اتباع اور پیروی پر مامور ہیں بجز ان امور کے جن کو اللہ نے آپ کے لیے خاص کر دیا ہے۔

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ (الاحزاب: ۴)	تمہیں پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہے وہ تم سے کچھ توقعات وابستہ کر بیٹھے بات سیدھی سادی طرح کرو اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔
يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب، ۸)۔	اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور ان کو ستایا نہ جائے گا۔

ان آیات پر غور کیجیے۔ مردوں کو تو صرف اتنی تاکید کی گئی ہے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور فواحش سے اپنے اخلاق کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کو مردوں ہی کی طرح ان دونوں چیزوں کا حکم دینے کے بعد معاشرت اور برتاؤ کے باب میں مزید چند ہدایتیں بھی دی گئی ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اخلاق کی حفاظت کے لیے صرف غضِ بصر اور حفظ فروج کی کوشش کافی نہیں بلکہ ان سب ہدایات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان مجمل ہدایات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اسلامی معاشرت میں عملاً کس طرح نافذ کیا ہے، اور ان کے اقوال اور اعمال سے ان ہدایات کی معنوی اور عملی تفصیلات پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

غضِ بصر سب سے پہلا حکم جو مردوں اور عورتوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ غضِ بصر کرو۔ عموماً اس کا ترجمہ "نظریں نیچی رکھو" یا "نگاہیں پست رکھو" کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے پورا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ حکم الٰہی کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہیں اور کبھی اوپر نظر ہی نہ اٹھائیں

مدعا دراصل یہ ہے کہ اُس چیز سے پرہیز کرو جس کو حدیث میں آنکھوں کی زنا کہا گیا ہے۔ اجنبی عورتوں کے حسن اور زینت کی دید سے لذت اندوز ہونا مردوں کے لیے اور اجنبی مردوں کو مطمح نظر بنانا عورتوں کے لیے فتنہ کا موجب ہے، اور فساد کی ابتدا طبعاً و عادتاً یہیں سے ہوتی ہے، اس لیے سب سے پہلے اسی دروازے کو بند کیا گیا ہے، اور یہی غضِّ بصر کی مراد ہے۔ یہاں شارع نے انسان کی طبعی و عادی ضرورتوں، اور زنانہ و مردانہ فطرت کی خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر غضِّ بصر کے لیے جو حدود مقرر کیے ہیں وہ غایت درجہ حکمت پر مبنی ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ جب انسان آنکھیں کھول کر دنیا میں رہے گا تو سب ہی چیزوں پر اس کی نظر پڑے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کو اور کوئی عورت کسی مرد کو دیکھے ہی نہیں۔ شارع نے اس کے متعلق فرمایا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو معاف ہے۔ دراصل جو چیز ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ ایک نگاہ میں جہاں تم کو حسن محسوس ہو وہاں دوبارہ نظر دوڑاؤ اور اس کو ہدفِ نظر بناؤ۔

عن جریر قال سألت رسول اللہ صلعم عن نظر الفجأۃ فقال اصرف بصرك (ابوداؤد۔ باب مایومر بہ عن غض البصر)	حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپ نے فرمایا نظر پھیر لو۔
عن بریدۃ قال رسول اللہ صلعم لعلی یا علی لاتتبع النظرۃ النظرۃ فان لك الاولیٰ ولیس لك الآخرۃ (ابوداؤد۔ باب مذکور)۔	حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو پہلی نظر تمہیں معاف ہے مگر دوسری نظر کی اجازت نہیں۔
عن النبی صلعم انہ قال من نظر الی محاسن امرأۃ اجنبیۃ عن شہوۃ صب	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی اجنبی عورت کے محاسن پر شہوت کی نظر ڈالے گا قیامت کے روز

فی عینیہ الآنک یوم القیمۃ (تکملہ فتح القدیر)۔ اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

مگر بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں اجنبیہ کو دیکھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ مثلاً کوئی مریضہ کسی طبیب کے زیر علاج ہو، یا کوئی عورت کسی مقدمہ میں قاضی کے سامنے بحیثیت گواہ یا بحیثیت فریق پیش ہو، یا کسی آتش زدہ مقام میں کوئی عورت گھر گئی ہو، یا پانی میں ڈوب رہی ہو، یا اس کی جان یا آبرو کسی خطرہ میں مبتلا ہو۔ ایسی صورتوں میں چہرہ تو درکنار حسب ضرورت ستر کو بھی دیکھا جا سکتا ہے جسم کو ہاتھ بھی لگایا جا سکتا ہے بلکہ ڈوبتی ہوئی یا جلتی ہوئی عورت کو گود میں اٹھا کر باہر نکال لانا بھی صرف جائز نہیں فرض ہے۔ شارع کا حکم یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں جہاں تک ممکن ہو اپنی نیت کو پاک رکھو۔ لیکن اقتضائے بشریت سے اگر جذبات میں کوئی خفیف سی تحریک بھی پیدا ہو جائے، تب بھی کوئی گناہ نہیں کیونکہ ایسی نظر اور ایسے لمس کے لیے ضرورت داعی ہوئی ہے، اور فطرت کے مقتضیات کو بالکل روک دینے پر انسان قادر نہیں ہے[1]۔

اسی طرح اجنبی عورت کو نکاح کے لیے دیکھنا اور تفصیلی نظر کے ساتھ دیکھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ احادیث میں اس کا حکم وارد ہوا ہے، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کے لیے عورت کو دیکھا ہے۔

عن المغیرۃ بن شعبۃ انہ خطب امرأۃ فقال النبی صلعم انظر الیہا فانہ احری ان یودم بینکما (ترمذی۔ باب ما جاء فی النظر الی المخطوبۃ) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس کو دیکھ لو کیونکہ یہ تم دونوں کے

[1] اس مضمون کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر امام رازی آیۂ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم۔ احکام القرآن للجصاص، تفسیر آیۂ مذکورہ۔ تکملہ فتح القدیر، فصل فی الوطء والنظر واللمس۔

درمیان محبت و اتفاق پیدا کرنے کے لیے مناسب ہوگا۔

عن سهل بن سعد ان امرأة جاءت الى رسول الله صلعم فقالت يا رسول الله جئت لاهب لك نفسي فنظر اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم فصعد النظر اليها (بخاری باب النظر الى المرأة قبل التزويج)۔

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور بولی کہ میں اپنے آپ کو حضور کے نکاح میں دینے کے لیے آئی ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھائی اور اس کو دیکھا۔

عن ابی هريرة قال كنت عند النبی صلعم فاتاه رجل فاخبره انه تزوج امرأة من الانصار فقال له رسول الله صلعم انظرت اليها قال لا قال فاذهب فانظر اليها فان فی اعين الانصار شيئا (مسلم باب ندب من اراد نكاح امرأة الى ان ينظر الى وجهها)۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے انصار میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا ہے۔ حضور نے پوچھا کیا تو نے اسے دیکھا ہے۔ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا جا اور اس کو دیکھ لے، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ عیب ہوتا ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال رسول الله صلعم اذا خطب احدكم المرأة فان استطاع ان ينظر الى ما يدعوه الى نكاحها فليفعل (ابو داؤد۔ باب فی الرجل ينظر الى المرأة وهو يريد تزويجها)۔

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو حتی الامکان اسے دیکھ لینا چاہیے کہ آیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو اس کو اس عورت کے ساتھ نکاح کی طرف رغبت دلانے والی ہو۔

ان مستثنیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کا مقصد دیکھنے کو کلیتہً روکدینا نہیں ہے بلکہ دراصل فتنے کا سدباب مقصود ہے، اور اس غرض کے لیے صرف ایسے دیکھنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جس کی کوئی حاجت بھی نہ ہو، اور جس کا کوئی تمدنی فائدہ بھی نہ ہو، اور جس میں جذبات شہوانی کو تحریک دینے کے اسباب بھی موجود ہوں یہ حکم جس طرح مردوں کے لیئے ہے اسیطرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہ[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم آئے جو نابینا تھے۔ حضور نے فرمایا ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا، کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ وہ ہم کو دیکھیں گے، نہ ہمیں پہچانیں گے حضور نے جواب دیا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتی ہو[2]

مگر عورت کے مردوں کو دیکھنے اور مرد کے عورتوں کو دیکھنے میں نفسیات کے اعتبار سے ایک نازک فرق ہے۔ مرد کی فطرت میں اقدام ہے۔ کسی چیز کو پسند کرنے کے بعد وہ اس کے حصول کی سعی میں پیش قدمی کرتا ہے۔ مگر عورت کی فطرت میں تمانع اور فرار ہے جب تک کہ اس کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہوجائے، وہ کبھی اس قدر دراز دست (اور جری بے باک) نہیں ہوسکتی کہ کسی کو پسند کرنے کے بعد خود اس کی طرف پیش قدمی کرے۔ شارع نے اس فرق کو ملحوظ رکھ کر عورتوں کے لیے نظر اجانب کے باب میں وہ سختی نہیں کی ہے جو مردوں کے لیے کی گئی ہے چنانچہ احادیث میں حضرت عائشہ کی یہ روایت مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقع پر ان کو خود حبشیوں کا تماشا دکھایا تھا[3]۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مردوں کو دیکھنا

---

[1] دوسری روایت میں حضرت عائشہ کا ذکر ہے

[2] ترمذی باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال۔

[3] یہ روایت بخاری اور مسلم اور نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں کئی طریقوں سے آئی ہے۔ بقیہ حاشیہ برصفحہ ۲

مطلقاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ ایک مجلس میں اجتماع اور نظر جما کر دیکھنا مکروہ ہے۔ اور ایسی نظر بھی جائز نہیں جس میں فتنے کا احتمال ہو۔ وہی نابینا صحابی، ابن ام مکتوم جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا تھا، ایک دوسرے موقع پر حضور انہی کے گھر میں حضرت فاطمہ بنت قیس کو عدت بسر کرنے کا حکم دیتے ہیں قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ فاطمہ بنت قیس اُمّ شریک کے گھر میں عدت گذارنا چاہتی تھیں۔ حضور نے فرمایا کہ اس گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو کیونکہ وہ ایک اندھا آدمی ہے اور اس کے ہاں تم بے پردہ رہ سکتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد فتنے کے احتمالات کو کم کرنا ہے۔ جہاں فتنے کا احتمال زیادہ تھا وہاں رہنے سے منع فرما دیا۔ جہاں احتمال کم تھا وہاں رہنے کی اجازت دیدی کیونکہ بہرحال اس عورت کو کہیں رہنا ضرور تھا لیکن جہاں کوئی حاجت نہ تھی وہاں خواتین کو ایک غیر مرد کے ساتھ ایک مجلس میں جمع ہونے اور روبرو اس کو دیکھنے سے روک دیا۔

یہ سب مراتب حکمت پر مبنی ہیں، اور جو شخص مغز شریعت تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ غضِ بصر کے احکام کن مصالح پر مبنی ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام میں شدت اور تخفیف کا مدار کن امور پر ہے۔ شارع تم کو نظر بازی سے روکنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھیں ابتدا میں بڑی معصوم نگاہوں سے دیکھتی ہیں نفس کا شیطان ان کی تائید میں بڑے بڑے

تکملہ حاشیہ صفحہ (۷۱) بعض لوگوں نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت عائشہ کم سن تھیں اور حجاب کے احکام نازل نہ ہوئے تھے مگر ابن حبان میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حبش کا وفد مدینہ آیا تھا۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وفد کی آمد ۷ھ میں ہوئی ہے اس لحاظ سے حضرت عائشہ کی عمر اس وقت پندرہ سولہ برس کی تھی نیز بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو چادر سے ڈھانکتے جاتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ احکام حجاب بھی نازل ہو چکے تھے۔

پر قریب دلائل پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ذوق جمال ہے جو فطرت نے تم میں ودیعت کیا ہے
جمال فطرت کے دوسرے مظاہر کو جب تم دیکھتے ہو اور ان سے بہت ہی پاک لطف اٹھاتے ہو تو
جمال انسانی کو بھی دیکھو اور ویسا ہی روحانی لطف اٹھاؤ۔ مگر اندر ہی اندر یہ شیطان لطف اندوزی
کی نے کو بڑھاتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہی ذوقِ جمال ترقی کرکے شوقِ وصال بن جاتا
ہے۔ کون ہے جو اس حقیقت سے انکار کی جرأت رکھتا ہو کہ دنیا میں جس قدر بدکاری اب تک ہوئی
ہے اور اب ہو رہی ہے اس کا پہلا اور سب سے بڑا محرک یہی آنکھوں کا فتنہ ہے؟ کون یہ دعوی کرسکتا
ہے کہ اپنی صنف مقابل کے کسی حسین اور جوان فرد کو دیکھ کر اس میں وہی کیفیات پیدا ہوتی ہیں
جو ایک خوبصورت پھول کو دیکھ کر ہوتی ہیں؟ اگر دونوں قسم کی کیفیات میں فرق ہے اور ایک کے برخلاف
دوسری کیفیت کم و بیش شہوانی کیفیت ہے تو پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ایک ذوق جمال کے لیے بھی وہی آزادی ہونی
چاہیے جو دوسرے ذوق جمال کے لیے ہے۔ شارع تمہارے ذوق جمال کو مٹانا تو نہیں چاہتا۔ وہ کہتا
ہے کہ تم اپنی پسند کے مطابق اپنا ایک جوڑا انتخاب کرلو اور جمال کا جتنا ذوق تم میں ہے اس کا مرکز
صرف اسی ایک کو بنالو۔ پھر جتنا چاہو اس سے لطف اٹھاؤ۔ اس مرکز سے ہٹ کر تم دیدہ بازی
کروگے تو فواحش میں مبتلا ہو جاؤ گے، اگر ضبط نفس یا دوسرے موانع کی بنا پر آوارگیٔ عمل میں مبتلا
نہ بھی ہوئے تو آوارگی خیال سے کبھی نہ بچ سکو گے۔ تمہاری بہت سی قوت آنکھوں کے رستے ضائع ہوگی
بہت سے ناکردہ گناہوں کی حسرت تمہارے دل کو ناپاک کرے گی بار بار فریب محبت میں مبتلا ہو گے اور
بہت سی راتیں بیداری کے خواب دیکھنے میں جاگ جاگ کر ضائع کروگے۔ بہت سے حسین ناگوں اور
ناگنوں سے ڈسے جاؤ گے۔ تمہاری بہت سی قوتِ حیات دل کی دھڑکن اور خون کے ہیجان میں ضائع
ہو جائے گی یہ نقصان کیا کچھ کم ہے؟ اور یہ سب اپنے مرکز دید سے ہٹ کر دیکھنے ہی کا نتیجہ ہے۔ لہذا اپنی
آنکھوں کو قابو میں رکھو۔ بغیر حاجت کے دیکھنا اور ایسا دیکھنا جو فتنے کا سبب بن سکتا ہو، قابل

تحذر رہے اگر دیکھنے کی حقیقی ضرورت ہو یا اس کا کوئی تمدنی فائدہ ہو تو احتمالِ فتنہ کے باوجود دیکھنا جائز ہے۔ اور اگر حاجت نہ ہو لیکن فتنے کا بھی احتمال نہ ہو تو عورت کے لیے مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ مگر مرد کے لیے عورت کو دیکھنا جائز نہیں الّا یہ کہ اچانک نظر پڑ جائے۔

اظہارِ زینت کی ممانعت اور اس کے حدود غضِ بصر کا حکم عورت اور مرد دونوں کے لیے تھا۔ اس کے بعد چند احکام خاص عورتوں کے لیے ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ ایک محدود دائرے کے باہر اپنی "زینت" کے اظہار سے پرہیز کریں۔

اس حکم کے مقاصد اور اس کی تفصیلات پر غور کرنے سے پہلے اُن احکام کو پھر ایک مرتبہ ذہن میں تازہ کر لیجیے جو اس سے پہلے لباس اور ستر کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر ہے جس کو باپ، چچا، بھائی اور بیٹے تک کے سامنے کھولنا جائز نہیں، حتیٰ کہ عورت پر بھی عورت کے ستر کا کھلنا مکروہ ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد اظہارِ زینت کے حدود ملاحظہ کیجیے۔

عورت کو اجازت دی گئی ہے کہ اپنی زینت کو اِن رشتہ داروں کے سامنے ظاہر کرے:

شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے۔

اس کو یہ بھی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے لونڈی غلاموں کے سامنے اظہارِ زینت کرے۔

وہ ایسے مردوں کے سامنے بھی زینت کے ساتھ آ سکتی ہے جو عورتوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے۔ قرآن میں ان کے لیے التابعین غیر اولی الاربۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ تابع کا مفہوم ظاہر ہے، ہماری زبان میں لفظ "تابعدار" اسی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اربہ کے معنی الحاجۃ فی النساء (عورتوں کی طرف میلان و رغبت) کے ہیں۔ پس شارع کی مراد یہ ہے کہ عورت ایسے مردوں کے سامنے بھی اظہارِ زینت کر سکتی ہے جو زیر دست ہوں اور اس کے ساتھ ان کے حالات سے بھی یہ ظاہر ہو کہ ان سے کسی فتنہ کا

اندیشہ نہیں ہے مثلاً بوڑھے فقراء و مساکین' یا ابلہ لوگ۔ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس حکم میں مخنث بھی داخل ہیں۔ کیونکہ وہ جسمانی حیثیت سے فتنہ پیدا کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں لیکن شارع نے ان کو اس اجازت سے خارج کر دیا۔ اس لیے کہ اگرچہ ان کی جسمانی اہلیت مفقود ہو جاتی ہے، مگر جذبات مفقود نہیں ہوتے اور وہ بآسانی فتنہ پیدا کرنے کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ کے پاس ایک مخنث بیٹھا تھا اور ان کے بھائی سے کہہ رہا تھا کہ اے عبداللہ اگر کل طائف فتح ہو گیا تو میں ایک بنت غیلان کا تمہیں پتہ دوں گا جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پلٹتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سن لی اور فرمایا کہ آیندہ سے یہ گھر میں نہ آئے[۱]۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ازواج مطہرات کے پاس ایک مخنث آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک عورت کی صفت بیان کر رہا تھا۔ اتنے میں حضور تشریف لے آئے اور اس کی باتیں سن لیں۔ فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ یہ عورتوں کے احوال سے واقف ہے، لہٰذا اب یہ تمہارے پاس نہ آئے۔ اس سے پردہ کرو[۲]۔ ان واقعات کے بعد آنحضرت صلعم نے مخنثوں سے پردہ کرنے کا حکم دیدیا[۳]۔

عورت ایسے بچوں کے سامنے بھی اظہار زینت کر سکتی ہے جن میں ابھی صنفی احساسات پیدا نہ ہوئے ہوں۔ قرآن میں او الطفل الذین لم یظہروا علیٰ عورات النساء فرمایا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ایسے بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ نہ ہوئے ہوں۔

اپنے میل جول کی عورتوں کے سامنے بھی زینت کے ساتھ آنا جائز ہے۔ قرآن میں مطلقاً النساء (عورتوں) کے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ نسائھن (اپنی عورتوں) کے الفاظ کہے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ شریف عورتیں یا اپنے کنبے رشتے یا اپنے طبقہ کی عورتیں مراد ہیں۔ ان کے ماسوا غیر عورتیں جن میں ہر قسم کی اچھی اور بری' مجہول الحال اور مشتبہ کیرکٹر والیاں اور آوارہ و بدنام سب ہی شامل ہوتی ہیں، اس اجازت سے خارج ہیں، کیونکہ وہ بھی فتنہ کا سبب بن سکتی ہیں۔ اسی بنا پر جب شام کے علاقہ

[۱] تفسیر کبیر آیہ او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال۔ [۲] احکام القرآن للجصاص تفسیر آیہ مذکور۔
[۳] بخاری باب ما ینھیٰ من دخول المتشبھین بالنساء علی المرأة۔

میں مسلمان گئے اور ان کی خواتین وہاں کی نصرانی و یہودی عورتوں کے ساتھ بے تکلفانہ ملنے لگیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو لکھا کہ مسلمان عورتوں کو اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ حماموں میں جانے سے منع کر دو[1]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ "مسلمان عورت کفار اور اہل الذمہ کی عورتوں کے سامنے اس سے زیادہ ظاہر نہیں کر سکتی جو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے[2]"۔ اس سے کوئی مذہبی امتیاز مقصود نہیں۔ بلکہ مسلمان عورتوں کو ایسی عورتوں کے اثرات سے بچانا مقصود ہے جن کے اخلاق اور تہذیب کا صحیح حال معلوم نہ ہو، یا جس حد تک معلوم ہو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہو۔ رہیں وہ غیر مسلم عورتیں جو شریف اور باحیا اور نیک خصلت ہوں تو وہ نساءھن ہی میں شمار ہوں گی۔

ان حدود پر غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

ایک یہ کہ وہ زینت جس کے اظہار کی اجازت اس محدود حلقہ میں دی گئی ہے، ستر عورت کے ماسوا ہے، مثلاً زیور پہننا، اچھے ملبوسات سے آراستہ ہونا، سرمہ اور حنا اور بالوں کی آرائش اور دوسری وہ تزئینات جن کو عورتیں اپنی انوثت کے اقتضا سے اپنے گھر میں کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس اظہار کی اجازت یا تو ان مردوں کے سامنے دی گئی ہے جن کو ابدی حرمت نے عورتوں کے لیے حرام کر دیا ہے، یا ان لوگوں کے سامنے جن کے اندر صنفی میلانات نہیں ہیں اور جو اخلاق کے اعتبار سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ عورتوں کے لیے نساءھن کی قید ہے۔ تابعین کے لیے غیر اولی الاربہ کی قید ہے۔ بچوں کے لیے لم یظھروا علی عورات النساء کی شرط ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شارع کا منشا عورتوں کے اظہار زینت کو ایسے حلقہ میں محدود کرنا ہے جس میں ان کے حسن اور ان کی آرایش سے کسی قسم کے ناجائز جذبات پیدا ہونے، اور صنفی انتشار کے اسباب فراہم ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔

---

[1] ابن جریر۔ تفسیر آیۂ مذکورہ [2] تفسیر کبیر آیۂ مذکورہ۔

اب اس حلقہ کے باہر جتنے لوگ ہیں ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کرو، بجز اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے (الا ما ظهر منها) بلکہ چلتے میں پاؤں بھی اس طرح نہ مارو کہ چھپی ہوئی زینت کا حال آواز سے ظاہر ہو اور توجہات تمہاری طرف منعطف ہوں۔ اس فرمان میں جس زینت کو اجانب سے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے وہ وہی زینت ہے جس کو ظاہر کرنے کی اجازت اوپر کے محدود حلقہ میں دی گئی ہے۔ مقصود بالکل واضح ہے۔ عورتیں اگر بن ٹھن کر ایسے لوگوں کے سامنے آئیں گی جو صنفی خواہشات رکھتے ہیں اور جن کے داعیات نفس کو ابدی حرمت نے پاکیزہ اور معصوم جذبات سے مبدّل بھی نہیں کیا ہے تو لامحالہ اس کے اثرات وہی ہوں گے جو مقتضائے بشریت ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ایسے اظہار زینت سے ہر عورت بالفعل فاحشہ ہو جائے گی اور ہر مرد بالفعل بدکار ہی بن کر رہے گا۔ مگر اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ زینت و آرائش کے ساتھ عورتوں کے علانیہ پھرنے اور محفلوں میں شریک ہونے سے بے شمار جلی اور خفی، نفسانی اور مادی نقصانات رونما ہوتے ہیں۔ آج یورپ اور امریکہ کی عورتیں اپنی اور اپنے شوہروں کی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنی آرائش پر خرچ کر رہی ہیں اور روز بروز ان کا یہ خرچ اتنا بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ ان کے معاشی وسائل اس کے تحمل کی قوت نہیں رکھتے[1]۔ کیا یہ جنون انہی پُر شوق نگاہوں نے پیدا نہیں کیا ہے جو بازاروں اور دفتروں اور سوسائٹی کے اجتماعات میں آراستہ خواتین کا استقبال کرتی ہیں؟ پھر غور کیجیے کہ آخر عورتوں میں آرائش کا اس قدر شوق پیدا ہونے اور طوفان کی طرح بڑھنے کا سبب کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ مردوں سے خراج تحسین وصول کرنا اور ان کی نظروں میں کھب جانا چاہتی ہیں۔ یہ کس لیے؟ کیا یہ بالکل ہی معصوم جذبہ ہے؟ کیا اس کی تہ میں وہ صنفی خواہشات چھپی ہوئی نہیں ہیں جو اپنے فطری دائرے سے نکل کر پھیل جانا چاہتی ہیں اور جن کے مطالبات کا جواب دینے کے لیے دوسری جانب بھی

---

[1] حال میں کیمیاوی سامان بنانے والوں کی نمائش ہوئی تھی جس میں ماہرین کے بیانات سے معلوم ہوا کہ انگلستان کی عورتیں سنگھار پر دو کروڑ پونڈ اور امریکہ کی عورتیں ساڑھے بارہ کروڑ پونڈ سالانہ خرچ کرتی ہیں اور قریب ۹۰ فی صدی عورتیں کسی نہ کسی طریقہ کے (ملمع۔ Make) کی خوگر ہیں۔

ویسی ہی خواہشات موجود ہیں ۹ اگر آپ اس سے انکار کریں گے تو شاید کل آپ یہ دعویٰ کرنے میں بھی تامل نہ کریں کہ جوالا مکھی پہاڑ پر جو دھواں نظر آتا ہے اس کی تہ میں کوئی لاوا باہر نکلنے کے لیے بیتاب نہیں۔ آپ اپنے عمل کے مختار رہیں، جو چاہیے کیجیے، مگر حقائق سے انکار نہ کیجیے۔ یہ حقیقتیں اب کچھ مستور بھی نہیں رہیں، سامنے آچکی ہیں اور اپنے نتائج، آفتاب سے زیادہ روشن نتائج کے ساتھ آچکی ہیں۔ آپ ان نتائج کو دانستہ یا دانستہ قبول کرتے ہیں، مگر اسلام ان کو ٹھیک اسی مقام پر روک دینا چاہتا ہے جہاں سے ان کے ظہور کی ابتدا ہوتی ہے کیونکہ اس کی نظر اظہار زینت کے بظاہر معصوم آغاز پر نہیں بلکہ اس نہایت غیر معصوم انجام پر ہے جو تمام سوسائٹی پر قیامت کی سی تاریکی لے کر پھیل جاتا ہے۔ مثل الرافلۃ فی الزینۃ فی غیر اھلھا کمثل ظلمۃ یوم القیمۃ لا نور لھا۔[1]

لوگوں نے الا ما ظھر منھا سے بہت کچھ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان الفاظ میں کچھ زیادہ فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہی نہیں۔ شارع صرف یہ کہتا ہے کہ تم غیروں کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہ کرو، لیکن جو زینت خود ظاہر ہو جائے یا اضطراراً ظاہر ہی رہنے والی ہو اس کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہاری نیت اظہار زینت کی نہ ہونی چاہیے۔ تم میں یہ جذبہ یہ ارادہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ اپنی آرائش غیروں کو دکھاؤ، یا اور کچھ نہیں تو چھپے ہوئے زیوروں کی جھنکار ہی سنا کر ان کی توجہ اپنی طرف مائل کرو۔ تم کو اخفائے زینت کی اختیاری کوشش کرنی چاہیے پھر اگر کوئی چیز اضطراراً کھل جائے تو اس پر خدا تم سے کوئی مواخذہ نہ کرے گا۔ تم جن کپڑوں میں زینت کو چھپاؤ گی وہ تو بہر حال ظاہر ہوں گے، تمہارا قد و قامت، تناسب جسمانی، ڈیل ڈول تو ان میں سے محسوس ہی ہوگا، کسی ضرورت یا کام کاج کے لیے کبھی ہاتھ یا چہرے کا کوئی حصہ تو کھولنا ہی پڑے گا۔ کوئی حرج نہیں اگر ایسا ہو۔ تمہاری نیت اس کے اظہار کی نہیں ہے، تم اس کے اظہار پر مجبور بھی ہو۔ اگر ان چیزوں سے بھی کوئی کمینہ لذت لیتا ہے

[1] اجنبیوں میں زینت کے ساتھ ناز و انداز سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے روز قیامت کی تاریکی کہ اس میں کوئی نور نہیں (ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ خروج النساء فی الزینۃ)

تو لیا کرے۔ اپنی بدنیتی کی سزا وہ خود بھگتے گا۔ جتنی ذمہ داری تمدن اور اخلاق کی خاطر تم پر
ڈالی گئی تھی اس کو تم نے اپنی حد تک پورا کر دیا۔

یہ ہے صحیح مفہوم اس آیت کا۔ مفسرین کے درمیان اس کے مفہوم میں جتنے اختلافات ہیں، ان سب پر
جب آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ تمام اختلافات کے باوجود ان کے اقوال کا مفاد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعی اور حسن بصری کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد وہ کپڑے ہیں جن میں
زینت باطنہ کو چھپایا جاتا ہے۔ ابن عباسؓ، مجاہد، عطاء، ابن عمرؓ، انسؓ، ضحاک، سعید بن جبیر، اوزاعی
اور علمائے حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں اور وہ اسباب زینت بھی اسی استثناء میں داخل ہیں جو
چہرے اور ہاتھ میں عادۃً ہوتے ہیں، مثلاً ہاتھ کی حنا اور انگوٹھی اور آنکھوں کا سرمہ وغیرہ۔

سعید بن المسیب کے نزدیک صرف چہرہ مستثنیٰ ہے اور ایک قول حسن بصری سے بھی انکی تائید میں
منقول ہے۔

حضرت عائشہؓ چہرہ چھپانے کی طرف مائل ہیں۔ ان کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد ہاتھ اور
چوڑیاں کنگن اور انگوٹھیاں ہیں۔

مِسوَر بن مَخرَمہ اور قتادہ ہاتھوں کو ان کی زینت سمیت کھولنے کی اجازت دیتے ہیں مگر چہرے کے
باب میں ان کے اقوال سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ پورے چہرے کے بجائے وہ صرف آنکھ کھولنے کو جائز رکھتے ہیں۔[1]

ان اختلافات کے منشاء پر غور کیجیے۔ ان سب مفسرین نے الا ما ظہر منہا سے یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ
ایسی زینت کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے جو اضطراراً ظاہر ہو یا جس کو ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔
چہرے اور ہاتھوں کی نمائش اور ان کو مطمح انظار بنانا ان میں سے کسی کا بھی مقصود نہیں ہر ایک نے
اپنے فہم اور عورتوں کی ضروریات کے لحاظ سے یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ ضرورت کس حد تک کس
چیز کو بے حجاب کرنے کے لیے داعی ہوتی ہے یا کیا چیز اضطراراً کھل سکتی ہے، یا عادتاً کھلتی ہے۔

[1] یہ تمام اقوال علامہ ابن جریر اور علامہ جصاص کی احکام القرآن سے ماخوذ ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ الا ما ظہر منہا کو ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی مقید نہ کیجیے۔ ایک مومن عورت جو خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے، اور جس کو فتنے میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہے، وہ خود اپنے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے۔ اس باب میں قطعی احکام نہ شارع نے دیے ہیں نہ اختلاف احوال و ضروریات کو دیکھتے ہوئے یہ مقتضائے حکمت ہے کہ قطعی احکام وضع کیے جائیں۔ جو عورت اپنی حاجات کے لیے باہر جانے اور کام کاج کرنے پر مجبور ہے اس کو بہرحال ہاتھ بھی کھولنے کی ضرورت پیش آئے گی اور چہرہ بھی۔ ایسی عورت کے لیے بلحاظ ضرورت اجازت ہے۔ اور جس عورت کا حال یہ نہیں ہے اس کے لیے بلاضرورت قصداً کھولنا درست نہیں۔

پس شارع کا مقصد یہ ہے کہ اپنا حسن دکھانے کے لیے اگر کوئی چیز بے حجاب کی جائے تو یہ گناہ ہے۔ خود بخود بلا ارادہ کچھ ظاہر ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ حقیقی ضرورت اگر کچھ کھولنے پر داعی ہو تو اس کا کھولنا بالکل جائز ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اختلاف احوال سے قطع نظر کر کے نفس چہرہ کا کیا حکم ہے؟ شارع اس کے کھولنے کو پسند کرتا ہے یا ناپسند؟ اس کے اظہار کی اجازت محض ناگزیر ضرورت کے طور پر دی گئی ہے یا اس کے نزدیک چہرہ غیروں سے چھپانے کی چیز ہی نہیں؟ ان سوالات پر سورہ احزاب والی آیت میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(باقی)

فضل فونٹن پن

نمبر ۲۶ جونیر نمبر ۱۱۱ نیا اسٹاک آچکا ہے

خوبصورت پائدار قیمت واجبی علاوہ اس کے سامان اسٹیشنری و کاغذ وغیرہ خط و کتابت سے طلب کیجیے

فدا علی محمد علی تاجر کاغذ پتھر گٹی حیدرآباد دکن